

علوم ترجمہ کی کثیرالموضوعاتی حیثیت

Multidisciplinary Status of Translation Sciences

DR. SHAHIDA RASOOL

Department of Urdu, The Women University, Multan.

Email: shahidaRasool9@gmail.com

TANZEELA MUSHTAQ

Ph.D Scholar in Urdu, BZU, Multan.

Email: tanzeelam008@gmail.com

DR. NAZIA RAHAT

Department of Urdu, Ghazi University, D.G.Khan.

Email: naziashaukat27@gmail.com

Received on: 13-05-2022

Accepted on: 15-06-2022

**Abstract**

At present the expressiveness of different cultures in the world is due to the presence of several languages. Which are being used as a source for new knowledge for representing the social and cultural needs. The knowledge evolving from some established countries is significant for the underprivileged and the down trodden nations. Hence, translation has to be done, to enlighten their culture and societies, for better interpretation of the knowledge being received. This process of the translation is not new at all. It all started from the Bible and the Gospel and then the Abbasids translated many Latin books into Arabic. These books on various topics help us to adopt ourselves amongst the varying trends. While praising the Latin Philosophical and other foreign literature we should not forget that Arabic literature is the basic foundation of our cultural heritage. So, when we assess the subjective importance of the translation, the reality appears in our mind that we cannot understand Quran in Arabic language. We need to translate it for perceiving its immortal contents. Urdu scholars have a common impression about the collection of literature that much of the literary collection is the legacy of foreign literature or we get benefit from its translated things. It is actually true but it should also be admitted that Urdu language is capable of transforming foreign literature into as its own. In this article it is admitted that certain foreign literature that get popular in some societies due to their translated versions have actually a great part of learning of literature in their own language as well. The literature which, now perhaps is not understood or spoken by many but thanks to the translations that such literature and knowledge are still being read and proving to be useful. It is also explained here that how many foreign literary pieces got introduced into our society after being translated that include pure knowledge based and religious topics and as well as unlimited literature pieces too which we received due to the influence of the foreign language. Lastly, the useful philosophical topics have also been analyzed here that got translated from Latin to Arabic, Arabic to English and ultimately into Urdu.

**Keywords:** Multidisciplinary Status, Translation, Sciences, Languages, Knowledge, Literature

ملخص:

اس وقت دنیا میں مختلف ثقافتوں کا اظہار کئی زبانوں کی موجودگی کی وجہ سے ہے۔ جو کہ سماجی اور ثقافتی ضروریات کی نمائندگی کے لیے نئے علم کے ذریعے کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ چند مستحکم ممالک سے حاصل ہونے والا علم پسماندہ قوموں کے لیے اہم ہے۔ اس لیے ان کی ثقافت اور معاشرے سے استفادہ کرنے کے لیے، ان زبانوں کے علوم کے تراجم ضروری ہیں۔

ترجمہ کا یہ عمل بالکل نیا نہیں ہے۔ یہ سلسلہ بائبل اور انجیل سے شروع ہوا اور پھر عیسائیوں نے لاطینی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ مختلف موضوعات پر یہ کتابیں مختلف رجحانات کو اپنانے میں مدد دیتی ہیں۔ لاطینی فلسفیانہ اور دیگر غیر ملکی ادب کی تعریف کرتے ہوئے ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عربی ادب ہمارے ثقافتی ورثے کی بنیاد ہے۔ چنانچہ جب ہم ترجمے کی موضوعی اہمیت کا اندازہ لگاتے ہیں تو یہ حقیقت ہمارے ذہن میں ابھرتی ہے کہ ہم قرآن کو عربی زبان میں نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے لافانی مواد کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مجموعہ ادب کے بارے میں اردو دانوں کا یہ تاثر عام ہے کہ ادبی ذخیرے کا زیادہ تر حصہ غیر ملکی ادب کی میراث ہے یا ہم اس کی ترجمہ شدہ چیزوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ یہ درست ہے لیکن یہ بھی مان لینا چاہیے کہ اردو زبان غیر ملکی ادب کو اپنا روپ دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس مضمون میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ بعض غیر ملکی ادب جو اپنے ترجمہ شدہ نسخوں کی وجہ سے بعض معاشروں میں مقبول ہوتے ہیں، دراصل ان کی اپنی زبان میں ادب سیکھنے کا ایک بڑا حصہ ہوتا ہے۔ وہ ادب جو اب شاید بہت سے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا اور نہ بولا جاتا ہے لیکن تراجم کی بدولت ایسا ادب اور علم آج بھی پڑھا جا رہا ہے اور کارآمد ثابت ہو رہا ہے۔ یہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ترجمے کے بعد ہمارے معاشرے میں کتنے غیر ملکی ادبی موضوعات متعارف ہوئے جن میں خالص علمی اور مذہبی موضوعات کے ساتھ ساتھ محدود ادبی موضوعات بھی شامل ہیں جو غیر ملکی زبان کے اثر سے ہمیں حاصل ہوئے۔ آخر میں یہاں ان مفید فلسفیانہ موضوعات کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے جن کا لاطینی سے عربی، عربی سے انگریزی اور بالآخر اردو میں ترجمہ ہوا۔

کوئی بھی قوم یا ملک اپنی تہذیب اور ثقافت کی رنگارنگی اور بولچال کی تفہیم کے لیے ایک مرکزی یا قومی زبان کا سہارا لیتا ہے کیونکہ مختلف خطوں اور علاقوں میں بولی جانے والی زبانیں اپنے اپنے تہذیبی رنگ کے اظہار کے باوجود محدود ہوتی ہیں، لیکن قومی تشخص یا تہذیب لا محدود امکانات اور جہتوں سے وجود میں آتی ہے سو ان جہتوں کی تفہیم کے لیے تراجم کا سہارا لینا از حد ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ قومی ضرورت جب بین الاقوامی اہمیت کی شکل اختیار کرتی ہے تو مختلف تہذیبوں کے خوش رنگ عناصر کے اخذ و قبول کا سلسلہ بھی تراجم کا مرہون منت ہوا کرتا ہے۔ اس طرح ہم باسانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ علوم ترجمہ کسی خاص موضوع کے پابند نہیں بلکہ ان کی کثیرالموضوعاتی حیثیت مسلم ہے۔ آسانی صحیفوں سے لے کر ادبی اصناف تک سب علوم تراجم کی مدد سے اخذ و استفادہ کا سبب بنتے ہیں۔

اس مقالے میں علوم ترجمہ کی کثیرالموضوعاتی حیثیت کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اپنی تہذیب و ثقافت کے ساتھ

ساتھ بین الاقوامی مذاہب، تاریخ، تہذیب اور ادب نے اردو کو کس قدر مالا مال کیا ہے۔ اس امر کا کھوج بھی لگایا گیا ہے کہ دیگر زبانوں کے لٹریچر کے تراجم نے اردو زبان کو ثمرات عطا کیے ہیں یا اس کی اعتباریت کو کم کیا ہے اور بنیادی طور پر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک مختلف قوموں نے مختلف موضوعات کے اپنی زبان میں تراجم کر کے اپنی تہذیب و ثقافت کو بالیدگی کی فضا مہیا کی اور ہر تہذیب سے ہو اور روشنی اخذ کرنے کے لئے اپنی کھڑکیاں کھلی رکھیں۔ دنیا میں اس وقت بے شمار زبانیں موجود ہیں جو اپنے معاشرے اور ثقافت کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مختلف علوم پیدا کر رہی ہیں اور مختلف ثقافتوں کا اظہار دنیا میں رنگارنگی کا سبب ہے۔ بعض ترقی یافتہ معاشروں میں تخلیق ہونے والا علم اور ادب ان پسماندہ ممالک کے لیے اہمیت رکھتا ہے جو ترقی کی دوڑ میں پیچھے ہیں تو بعض ترقی یافتہ ممالک پسماندہ تہذیبوں کے ریگستان سے خوشنما پھول چن کر اپنی تہذیب اور ثقافت کو آراستہ کرتے ہیں۔ ان موضوعات اور علوم سے اپنے معاشرے اور ثقافت کو فیض یاب کرنے کے لیے یہ ممالک تراجم کا سہارا لیتے ہیں۔ سید احتشام حسین لکھتے ہیں:-

"تجارت کی طرح مختلف قوموں اور ملکوں کے درمیان تہذیبی لین دین کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ دنیا کی کوئی تہذیب اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ خالص ہے اور اسے کسی دوسری تہذیب میں ایسے عناصر نظر نہیں آئے جنکی طرف اس نے شوق اور رشک آمیز تجسس کے ساتھ نہ دیکھا ہو۔" (1)

تہذیب اور ثقافت کی بات کریں تو یہ امر باعث حیرت نظر آتا ہے کہ خطہ پاکستان جس تہذیب پر فخر کرتا ہے وہ مجبوراً عربی کی لائی ہوئی تہذیب اور ثقافت ہے لیکن ظاہر ہے کہ بشمول پاکستان دنیا کے بہت سے ممالک کی زبان عربی نہیں اس لیے تراجم کی ضرورت مسلم تہذیبی ارتقاء کے آغاز ہی سے رہی ہے۔ ہمیں علوم ترجمہ کی کثیرالموضوعاتی حیثیت کا جائزہ لیتے ہوئے اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ ہم سے پہلے جتنی تہذیبیں صفحہ ہستی پر موجود تھیں ان کے آسمانی صحیفوں کی زبان بھی تقریباً معدوم ہو چکی ہے لیکن ان کے تراجم دنیا میں موجود ہیں مثلاً تورات اور انجیل وغیرہ۔ عربی زبان گو کہ زندہ زبانوں میں ایک اہم زبان ہے تاہم اس کا اہم مذہبی ذخیرہ تراجم ہی کی مدد سے ہماری تہذیب و ثقافت کی آبیاری کر رہا ہے اور اس حوالے سے اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کے دنیا میں سب سے زیادہ تراجم کیے گئے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ڈاکٹر عبدالحق لکھتے ہیں:-

"قرآن اسلام کا اصل الاصول ہے۔ عقائد و افکار کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔ عربی زبان ہونے کی وجہ سے عام ہندوستانی کے لیے اس کا سمجھنا اور سمجھانا بہت مشکل ہے اور ہندوستان میں عربی کو وہ مقام نہیں ملا جو فارسی کو حاصل تھا یا بعد میں اردو کو ملا۔ اس لیے اہم ترین صحیفہ آسمانی کے مفاہیم کو عوام تک پہنچانے کے لئے ہمیشہ ان تھک محنت کی جاتی رہی ہے۔ قرآن کے تراجم پر سب سے زیادہ اہتمام ملتا ہے اور ہر دور میں تراجم قرآن پر سنجیدگی سے کام ہوتا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اردو میں قرآن کے سینکڑوں تراجم دیکھنے میں آتے ہیں۔" (2)

قرآن کریم کے علاوہ اسوہ رسول سے تنویر حاصل کرنے کے لئے نہ صرف احادیث کو اردو کے قالب میں ڈھالا گیا بلکہ تراجم کے موضوعات میں وسعت پیدا کرنے اور عربی تہذیب سے استفادہ کرنے کی غرض سے سیرت نگاری پر بھی خاص توجہ دی گئی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ سیرت نگاری اردو کی باقاعدہ ایک صنف ہے تو اسے ترجمہ نگاری سے ہم آہنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب بہت آسان

اور سادہ ہے کہ سیرت نبویؐ کی ترتیب و تالیف کے لیے جو سرمایہ بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے وہ احادیث نبویؐ ہیں اور اس بنیادی ماخذ کو سمجھنے کے لئے اسے اپنی زبان کے قالب میں ڈھالنا ضروری تھا۔

مذہب کے علاوہ ترجمہ نگاری کے موضوعات کو وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو عہد بنو عباس، تاریخ اور فلسفہ کے تراجم کے حوالے سے زرخیز نظر آتا ہے۔ اس دور میں یونانی فلسفے کو عربی کے قالب میں ڈھالا گیا اور دیگر اقوام کی تاریخ کو بھی عربی زبان میں منتقل کیا گیا تاکہ مختلف تہذیبوں کی آمیزش سے ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آسکے۔ عباسیوں نے جن زبانوں کے لٹریچر کا عربی میں ترجمہ کیا وہ اب تقریباً اپنی ساخت کھو چکی ہیں مثلاً یونانی، سریانی وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ ان زبانوں کے لٹریچر کو خود اہل یورپ نے بھی زندہ زبانوں میں منتقل کیا ہے مثلاً بویتا اور ہومر کو آج کوئی یونانی زبان میں نہیں پڑھتا بلکہ ارسطو اور شیکسپیر ایک نئی زبان کے قالب میں ڈھل کر ہمیں زیادہ متحرک اور فعال نظر آتے ہیں۔

علوم ترجمہ کی کثیرالموضوعاتی حیثیت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات نہ بھولنی چاہیے زبان کی صحت اور بالیدگی کی وجہ سے ہی علوم ترجمہ کئی موضوعات کی تشریح و تعبیر کرتے ہیں۔ پروفیسر جیلانی کا مران رقمطراز ہیں:-

"ترجمے کے ذریعے زبان کئی طرح پھلتی اور پھولتی ہے اور اس کی کئی طرح کی خوبیاں ترجمے کے مضامین کے حوالے سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ ایک وقت میں علم الشعر کو بیان کر سکتی ہے اور دوسرے وقت میں وہی زبان فلسفے کی زبان بھی بن سکتی ہے۔ اسی زبان میں طب کی باتیں کی جاسکتی ہیں اور وہی زبان ٹریفک کے اصولوں کی، بچوں کی نظموں اور قانون کی زبان بھی بن سکتی ہے۔ لوگ اسی کے ذریعے ریاضی کے مسائل حل کرتے ہیں اور سائنس کے طالب علم ٹھوس، مانع اور گیس کی باتیں کرتے ہیں۔ نفسیات، عمرانیات، اکنامکس، تاریخ اور دقیق علمی مسائل بھی زبان ہی کے ذریعے بیان کیے جاتے ہیں لیکن شرط زبان کے تجربے اور تربیت کی اگر زبان میں خود اعتمادی ہے اور اسے مناسب مشق حاصل ہے تو کوئی بھی موضوع ایسا نہیں ہے جسے وہ بیان نہ کر سکی ہو اور اپنی لپیٹ میں لے لینے سے قاصر ہو۔" (3)

گزشتہ صفحات میں ہم نے صراحت کی تھی کہ بسا اوقات فاتح اقوام مفتوح تہذیبوں کے ریگستان سے خوشنما پھول چن کر اپنی تہذیب کو آراستہ کرتی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل ہندوستان میں فورٹ ولیم کالج کا قیام ہے جس کے ذریعے عیسائی مشنریوں نے تجارتی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس عمل سے نہ صرف ہندوستان میں بے شمار موضوعات کی حامل کتابیں ترجمہ ہوئیں بلکہ اردو زبان کو بھی بہت ثمرات حاصل ہوئے۔ پروفیسر جیلانی کا مران لکھتے ہیں:-

"اردو زبان جو آج ہر لحاظ سے ہمارے کلچر اور علوم کی زبان ہے ایسی عظمت اور وسعت حاصل نہ کر سکتی اگر اسے فورٹ ولیم کالج برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی اور شاہ عبدالقادر کے ترجمے کی حمایت حاصل نہ ہوتی۔" (4)

اس ضمن میں ہمیں سائنٹیفک سوسائٹی کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کیونکہ سر سید احمد خان نے اس سوسائٹی کے زیر اہتمام قدیم تاریخ اور فلسفے کو اردو زبان میں منتقل کر کے دوش کے آئینے میں تصویر فریاد کھانے کی انتھک کوشش کی اور مختلف موضوعات کی حامل تقریباً

۴۰ کتابوں کا اردو ترجمہ اس سوسائٹی کے زیر اہتمام کیا گیا۔ (5)

موجودہ دور میں جب کہ دنیا ایک عالمی بستی بن چکی ہے قدیم تہذیب کے احیاء کی ضرورت عہد سرسید سے کہیں زیادہ شدت سے اب محسوس کی جا رہی ہے۔ اس حوالے سے خالد اقبال لکھتے ہیں:-

"کلچر گلوبلائزیشن کا یہ تقاضا ہے کہ قدیم دور کے ادب تہذیب و ثقافت کو محفوظ کیا جائے، ترقی یافتہ اقوام کے علمی، ادبی و دیگر علمی سرمائے سے آگاہی اور آگہی حاصل کی جائے اور پھر اپنے علمی، ادبی، تہذیبی، ثقافتی سرمائے کو قومی نقطہ نظر سے آج کی ترقی کے عمل میں شامل کیا جائے اور یوں ترجمے کے توسط سے زندگی کی رنگارنگی میں نئی معنویت کی جاسکتی ہے۔" (6)

ان تصریحات سے یہ بات تو کسی قدر واضح ہو چکی ہے کہ علوم ترجمہ لاتعداد موضوعات کو مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں میں متعارف کروانے کا محرک رہے ہیں اور انہی علوم کی مدد سے ماضی کے روشن اوراق نے مستقبل کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا اب اس حقیقت کا کھوج لگانا ضروری ہے کہ تہذیب و ثقافت کی ہم آہنگی کے علاوہ تراجم کی مدد سے جدید دور میں کس طرح سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

امریکہ کا سب سے بڑا سائنسی ادارہ 'ناسا' اپنے جریدے 'Star' میں دنیا بھر کے خلائی تحقیقاتی کام کے تراجم شائع کرتا ہے۔ برطانیہ میں ترجمے کا سب سے بڑا مرکز برٹش لائبریری لینڈنگ ڈویژن ہے جو فرمائش کرنے پر سماجی، طبعی اور تکنیکی علوم کے تراجم فراہم کرتا ہے۔ اس ادارے کے ماہوار بلٹن B.L.L.D میں برطانوی ترجمہ سے متعلق اداروں کی رپورٹیں شائع ہوتی ہیں۔ امریکہ کا قومی مرکز ترجمہ "نیشنل ٹرانسلیشن سنٹر شکاگو" 1953 میں قائم ہوا۔ یہ ادارہ سماجی اور طبعی علوم کے علاوہ طب اور انجینئری سے متعلق مشرقی اور مغربی زبانوں سے تراجم کا کام کرتا ہے۔ آج کل افریقہ اور ایشیاء کے علاوہ دنیا بھر میں بیداری کی جو تحریکیں چل رہی ہیں ان میں تراجم کا نمایاں حصہ ہے۔ خود ہمارے ہاں ایسے متعدد ادارے وجود میں آئے ہیں جن کا مقصد ترجمے کے ذریعے علمی بیداری پیدا کرنا تھا۔ (7)

اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ بین الاقوامی ادبی ذخیرہ کی اردو زبان میں منتقلی کا عمل فورٹ ولیم کالج سے شروع ہوا اور آج تک یہ زبان دوسری زبانوں کے ادب کو اپنے دامن میں سمونے کا غیر معمولی فریضہ سرانجام دے رہی ہے لیکن اس حوالے سے موجودہ صدی میں دو طرح کے نقطہ ہائے نظر موجود ہیں۔ پہلا تو وہی جس کی صراحت اوپر اجمالاً کی گئی ہے کہ تراجم نے اردو زبان اور لٹریچر کو مالا مال کیا ہے اور دوسرا نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ ہمارا ادب اپنی تہی دامن کی وجہ سے مغربی لٹریچر کو اپنی زبان میں منتقل کرنے پر مجبور ہے۔ اس خیال کی ترویج وہ مخصوص طبقہ کرتا ہے جسے اردو کا مخالف طبقہ کہنا چاہیے لیکن اہل فکر اور دانشور اس کے برعکس سوچتے ہیں۔ محمد حسن عسکری لکھتے ہیں:-

"اردو ادب کے آغاز سے لے کر غالب کے زمانے تک ترجمے چاہے زیادہ نہ ہوئے ہوں لیکن ہمارے شاعر و قسم کی کوششیں کر رہے تھے ایک طرف تو وہ فارسی کے اسالیب اور تصورات کو اپنی زبان کے سانچے میں ڈھال رہے تھے دوسری طرف خود اپنی زبان کا ایک مزاج اور ایک روح متعین کرنی چاہتے تھے۔ یہ بالکل وہی چیز ہے جو تیرہویں اور چودھویں صدی میں اٹلی اور انگلستان کے شاعروں نے فرانسسی کے زیر اثر اپنی اپنی زبانوں کے لیے کی۔" (8)

اس اقتباس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ دوسرے ادب کو اپنی زبان میں منتقل کرنا باعث عار نہیں بلکہ دیگر موضوعات کی طرح ادبی اسالیب اور موضوعات میں بھی وسعت کا حامل ہے۔ اس خیال کی مزید تشریح مرزا حامد بیگ نے ان الفاظ میں کی ہے :-

"ہمیشہ سے ادب اور زبان (یا تخلیقی عمل) ایک مسلسل داخلی اور ظاہری جستجو اور چھان پھنک کا کام سرانجام دیتے رہے ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس نوع کا تخلیقی تسلسل افلاطون اور ارسطو سے چلا اور کولرج تک آتے آتے ادبی فیشن پرستی میں ڈھل گیا۔" (9)

اگرچہ حامد بیگ کے مذکورہ خیالات سے ان ناقدین کی رائے کو کسی قدر تقویت ملتی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اردو میں اعلیٰ تخلیقی دماغ عنقا ہیں تاہم اس تمام صورتحال کے باوجود یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ اردو نے بلوغت کا سفر ہی مغلیہ تہذیب کے زوال کے بعد طے کیا اس لیے اگر اردو کو بحیثیت ایک طاقتور زبان کے دیکھا جائے تو علوم ترجمہ نے اسے پسپا نہیں کیا بلکہ کسی نہ کسی طور اس کی بقاء کا سماں ہی کیا ہے۔ ہم آزاد ہو کر بھی اگر آج تک اس زبان کو سرکاری زبان کا درجہ نہیں دے سکے تو کم از کم یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ ہم دیگر اقوام کے لٹریچر سے مختلف النوع موضوعات اخذ کر کے اپنی زبان و تہذیب کی آبیاری کرتے رہیں۔ یہ عمل کسی مضحک صورت کو جنم نہیں دیتا بلکہ علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کی بالیدگی کا سبب ہے۔ سید احتشام حسین لکھتے ہیں :-

"تہذیب کے دوسرے پہلوؤں کے مقابلے میں ادب میں یہ بات زیادہ نمایاں ہوتی ہے کیونکہ رقص، موسیقی اور مصوری کی نقل اتارنے کے بہ نسبت خیالات کو اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں ڈھال لینا آسان ہوتا ہے اس لئے ایک ادب دوسرے ادب سے وہ چیزیں اپنے یہاں منتقل کر لیتا ہے جنہیں وہ کسی نہ کسی حیثیت سے اپنے ادبی مزاج سے ہم آہنگ یا مفید پاتا ہے۔" (10)

مختصر یہ کہ مذہب، تاریخ، سائنس، فلسفہ اور ادب کو جدید ثقافتوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے تراجم کا عمل ناگزیر ہے۔ اس ذریعے سے نہ صرف زبانیں تقویت حاصل کرتی ہیں بلکہ دنیا میں رنگارنگی اور گہما گہمی بھی رہتی ہے۔

## References

- 1-Ihtasham Hussain Syed, Urdu Mein Dosri Zabanu ka Afsanvi Adab, Mashmolah Tarjma Ka Fun Aor Riwayat, Book Point, Karachi, 2016, P.131.
- 2- Dr. Abdul Haq, Mazhbi Tasanif KUrdu Tarajim, Kaarachi,, 20116, PP.294-295
- 3.Jellani, Kamran, Tarjmy ki Zarort, Mashmolah, P.14..
- 4.Ibid.
5. Asghar Abbas, Sir Syed Ki Scientific Society K Tarajm, Mashmolah Tarjma Ka Fun Aor Riwayat,, P.155.
- 6.Khalid Iqbal, Tarjmy Ki Ahmiat, Tarjma Ka Fun Aor Riwayat, P.26.
7. Mirza Hamid Baig, Urdu Tarjmy Ki Riwayat, Islamabad, 2016, P.47-48.
8. Askri, Muhammad Hussain, Gar Tarjmy Sy Faida Akhfa-e-Hal Hay, Idara Farogh-e-Qaomi Zaban, Islamabad, 2016, P.67..
9. Mirza Hamid Baig, Urdu Tarjmy Ki Riwayat, Islamabad, 2016, P.48
- 10- Ihtasham Hussain Syed, Urdu Mein Dosri Zabanu ka Afsanvi Adab, Mashmolah Tarjma Ka Fun Aor Riwayat, Book Point, Karachi, 2016, P.1